معاشی دہشت گرد معزز کیوں ہیں؟؟؟

تحریر: سہیل احمد لون

تقریباً بیس برس قبل جرمنی کے ایک چھوٹے سے شہر شوائن فورٹ میں مقیم تھا۔ اس شہر میں پاکستانیوں کی تعداد صرف سات تھی۔ ایک روز بازار میں ایک نوجوان پر نظر پڑی جو کچھ لنگڑا کر چل رہا تھا اسے پہلے کبھی اس شہر میں دیکھا نہیں تھا۔ خدوخال سے پاکستانی لگ رہا تھا میں نے جب اس سے بات چیت کی تو پتہ چلا کہ وہ چند دن پہلے جرمنی آیا ہے۔ اُس نے اپنا تعلق پاکستان کے شہر وزیر آباد سے بتایا۔ چند منٹ بات چیت کے بعد میں اسے اپنے گھر لے آیا جہاں اس نے بتایا کہ اس کو کام کرنے کی اجازت (ورک پرمٹ) نہیں ملا تھا۔ وہ بغیر ورک پرمٹ کے ایک اور پاکستانی کے ساتھ مل کر چوری کام کرتا تھا۔ ایک دن انہیں کسی بزنس مین کے گھر کے گارڈن میں کام کرنے کا موقع ملا جہاں درخت کی شاخیں کاٹنے کا ٹاسک بھی ان کی ڈیوٹی میں شامل تھا۔ وہ اپنے ساتھی کے ساتھ درخت پر چڑھ کر شاخیں کاٹنے میں مصروف تھا کہ اچانک درخت کی شاخیں ٹوٹنے سے وہ زمین پر گر گئے اس کے دوست کی ٹانگ کی ہڈی وہیں ٹوٹ گئی جبکہ اسے پاؤں پر چوٹ بھی لگی اور موچ بھی آ گئی۔ جب وہ درخت سے گرے تو شور کی آواز سن کر جرمن بزنس مین گارڈن میں آ گیا اور جب اس نے دیکھا کہ ایک لڑکا درد کی شدت سے کراہ رہا ہے۔ اس نے فوراً ایمر جینسی سروس فون کر کے ایمبولینس کو کال کر دی۔ چند لمحوں میں وہاں ایمبولینس آ گئی اور جس لڑکے کی ٹانگ ٹوٹی تھی اسے سٹریچر پر ڈال کر ہسپتال لے گئے۔ لڑکا شدت درد سے بے ہوش ہو گیا تھا جب اس کو ہوش آئی تو اس کی ٹانگ کا آپریشن کر کے اس میں پیچوں والا کیل نما چھوٹا سا سریا ڈال دیا گیا تھا۔ بیچارے کا آپریشن تو کامیاب ہو گیا مگر اس کے پاس وہاں رہنے کی دستاویزات نہیں تھے وہ بیچارہ غیر قانونی طریقے سے وہاں مقیم تھا اور بغیر ورک پرمٹ کے چوری چھپے دہاڑی لگا کر اپنا گزارہ کر رہا تھا۔ ایک ہفتے میں اسے ہاتھوں میں بیساکھی نما چھڑیاں اور دوائی دے کر ہسپتال سے فارغ کر دیا گیا اور چار ہفتے بعد دوبارہ معائنے کے لیے تاریخ بھی دے دی۔ ہسپتال داخل ہونے کی وجہ سے اس کا کھاتہ ہوم آفس والوں کی نظر میں آ گیا اس کے پاس جرمنی رہنے کا جواز اس لیے ختم ہو چکا تھا کہ اس کا اسائلم کیس قبول نہیں ہوا تھا اور اسے ملک چھوڑنے کا حکم ایک برس پہلے جاری کیا گیا تھا۔ اسے امیگریشن والوں نے اپنی نگرانی میں رکھ لیا اور جب تک اس کی ٹانگ کا علاج مکمل ہوا تو اسے واپس پاکستان بھیج دیا گیا۔ یہ وہ کہانی تھی جو مجھے وزیر آباد کے لڑکے شکیل نے بتائی اور باوجود درد کے وہ کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں جا رہا تھا کہ کہیں وہ بھی امیگریشن والوں کی نظر میں نہ آ جائے۔ علاج تو مفت کر دیں گے مگر جرمنی میں رہنے کے لیے مناسب دستاویزات نہ ہونے کی وجہ سے اسے بھی پاکستان بھیج دیتے۔ میں فلیٹ میں اکیلا ہی رہتا تھا اس کو اپنے ساتھ گھر میں رہنے کی پیشکش کی جو اس نے فوری قبول کر لی۔ میں نے سب سے پہلے ڈاکٹر سے اپنے نام کی درد کی دوائی اور فارمیسی سے موچ پر لگانے والی دوائی لے کر اسے دی۔ شکیل ایک پڑھا لکھا، محنتی اور ذہین لڑکا تھا۔ ایم اے کرنے کے باوجود پاکستان میں کوئی نوکری نہ ملی تو قرضہ اٹھا کر یورپ میں اپنا مستقبل بہتر کرنے آ گیا جہاں سب سے پہلے اسکے دور کے رشتہ دار نے ہاتھ کیا کہ اس کے پاس جو پیسے تھے ہتھیا لیے۔ یہاں تک پہنچنے کے لیے اسے براستہ ایران ترکی تک بسوں میں سفر کرنا پڑا۔ استنبول سے

ایک ریوڑ کی صورت میں رات کی تاریکی میں میلوں پیدل چل کر ایک نہر تک آئے جہاں انہیں ایک بڑی سی کشتی جسے بارڈر کراس کروانے والے لانچ کہتے تھے اس پر سوار کر دیا گیا۔ راستے میں موسم خراب ہونے کی وجہ سے لانچ ہچکولے کھانا شروع ہوگئی، لانچ پر ضرورت سے زیادہ لوگ سوار تھے جن میں زیادہ تعداد ایشیائی نوجوانوں کی تھی۔ آدھے راستے میں ڈوب کر مر گئے خوش قسمتی سے شکیل زندہ سلامت یونان تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ وہاں سے ایک ٹرالے میں ایسی جگہ چھپ کر جہاں بمشکل بیٹھا ہی جا سکتا تھا تقریباً سولہ گھنٹے سفر میں رہا۔ اس کے ساتھ کچھ اور بھی لڑکے تھے سب کو پانی 'ایک چھوٹی بوتل اور تھوڑے سے چنے دے کر ٹرالے میں چھپا کر رکھا گیا وہیں پر رفع حاجت یا پیشاب بھی کرنا پڑا۔ جرمنی کے مختلف شہروں میں دو دو لڑکوں کو ٹرالے والے نے اتار کر اپنے پیسے حلال کیے۔ اتنی مصیبتوں کے بعد جرمنی پہنچ کر اس نے اسائلم کیس کی تو اس کا کیس پاس نہ ہوا۔ پردیس کی مجبوریاں وہ اپنے دیس میں کسی سے شیئر نہیں کرتا تھا جب بھی وہ چھوٹا سا فون کرتا تو اس کا حال کوئی نہ پوچھتا مگر پیسوں کا مطالبہ ضرور ہوتا جس کے بعد وہ اور بھی افسردہ ہو جاتا۔ ان دنوں میں یورپ سے برطانیہ آنا اتنا مشکل اس لیے نہیں تھا کہ بارڈر پر اتنی سخت چیکنگ نہیں ہوتی تھی جیسی اب ہو رہی ہے۔ وہ کسی اور کا پاسپورٹ استعمال کر کے برطانیہ پہنچ گیا جہاں پر وہ جلد اپنے پاؤں جمانے میں کامیاب ہوگیا۔ آج اس کے پاس برطانوی شہریت ہے اور ایک بڑی کمپنی میں ڈائریکٹر کے عہدے پر کام کر رہا ہے۔ یورپ، برطانیہ سمیت دیگر ترقی یافتہ ممالک میں ہمارے نوجوان اپنی محنت اور قابلیت کی وجہ سے بہت اچھی ملازمتوں اور اپنے کاروباروں میں مصروف ہیں۔ امریکہ، کینیڈا، برطانیہ میں ایک کثیر تعداد ڈاکٹروں، انجنیئروں اور دیگر شعبہ جات میں مہارت رکھنے والوں کی موجود ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ پاکستان کی کریم یا بہترین دماغ بیرون ملک میں استعمال ہو رہے ہیں تو کسی صورت غلط نہ ہوگا۔ اگر Braindrain کا یہ سلسلہ نہ رکا تو چند برسوں میں حالات بہت سنگین ہو سکتے ہیں حالانکہ انتخابات سے قبل عمران خان یہ کہتے تھے کہ اگر انکی حکومت آئی تو برین ڈرین کی بجائے لوگ پاکستان میں نوکریاں ڈھونڈنے آئیں گے مگر معاشی حالات بہتر کرنے کے لیے معاش کی تلاش میں اپنی زندگیاں داؤ پر لگا کر نوجوان نسل آج بھی ملک چھوڑنے پر مجبور ہو رہی ہے۔ دھرتی ماں ہوتی ہے، ماں میں سب سے بڑی خوبی یہی ہوتی ہے کہ وہ پیدا کرتی ہے اور جہاں نوجوان نسل کو بنیادی سہولیات تک میسر نہ ہوں تو وہ دھرتی انہیں بانجھ محسوس ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے وہ وہاں جانے کی کوشش کریں گے جہاں ان کی کم از کم بنیادی ضروریات پوری ہونے کا امکان تو ہوتا ہے۔ ملکی وسائل پر وہ لوگ قابض ہیں جنہوں نے عوامی دولت لوٹ کر سوئس بینک بھرے اور آف شور کمپنیاں بنائی۔ پانامہ لیکس نے بہت کو ننگا کر دیا ہے مگر جہاں حمام میں سب ننگے ہوں بلکہ ننگوں کا حمام ہو وہاں کوئی شرم' کوئی حیاء کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عمران خان نے انتخابات ہی حمام میں موجود ننگے معاشی دہشت گردوں سے لوٹا ہوا مال واپس لانے کے نعرے سے جیتا تھا مگر وصول تو اب تک کچھ نہ ہو سکا البتہ عوام کو مہنگائی کی چکی میں ضرور پیسا جا رہا ہے۔ لندن کے سرد موسم میں آجکل سیاسی ماحول گرم ہو رہا ہے۔ ''بیمار'' کی عیادت اور مورال سپورٹ کے لیے سیاسی اکابرین کا لندن آمد کا سلسلہ جاری ہے۔ احتساب کا نعرہ اب تک تو انتخابی مہم میں لگائے جانے والے دیگر سیاسی نعروں کی طرح کھوکھلا ہی لگ رہا ہے۔ ملک کا معاشی استحصال کرنے والوں کا اب بھی احتساب نہ ہوا تو نوجوان نسل جو ہمارا مستقبل ہے اپنا مستقبل تلاش کرنے جلاوطن ہوتے رہیں گے۔ آخر کب تک ہمیں معاشی دہشت گردی کی سزا جلاوطنی کی صورت میں بھگتنا پڑے گی؟ اور آخر کب

تک معاشی دہشتگرد ہی پاکستان کے اقتدار پر قابض ہوتے رہیں گے۔ اگر معاشی دہشت گردوں کا کڑا احتساب نہ کیا گیا تو لوٹ مار کا ایک سلسلہ شروع ہو جائے گا جو پاکستان میں مزید معاشی غلام پیدا کرے گا۔جس کے نتیجہ میں آنے والی نسلیں محترمہ مریم نواز اور حمزہ شہباز شریف کی غلام ہو جائیں گی اور اُن کی گارنٹی مسٹر بلاول بھٹو زرداری کے پاس اگلے الیکشن تک پڑی رہے گی۔سو پاکستان کے نوجوانوں کو اپنے بہتر مستقبل کیلئے آخری فیصلہ کرنا ہوگا ورنہ ایک ''جلاوطنی'' اور ذلت آمیز زندگی اُن کی منتظر ہے۔معاشی دہشتگردوں کی گرفتاری اور مال مسروقہ کی برآمدگی کے بغیر پاکستان کے نوجوانوں کو بہتر مستقبل دینے کا خواب کبھی پورا نہیں ہوسکتا۔اب یہ ریاستی ادارے سوچ لیں کہ اُنہوں نے چند افراد کو بچانا ہے یا پاکستان کے مستقبل کو۔۔۔ذرا سوچیں کہ معاشی دہشتگردی کرنے والے وطنِ عزیز میں معزز کیوں ہیں ؟؟؟

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

16-02-2020